© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

گرہ بھنور کی کھلے تو کیوں کر

خرم مراد

ملک کی کشتی جس انتہائی خطرناک بھنور میں پھنسی ہوئی ہے، اس سے نکلے تو کیوں کر؟ یہ سوال آج ہر دردمند دل کا سوال ہے۔

یہ بات کہ ہمیں اپنی قومی زندگی کا سب سے سنگین بحران درپیش ہے، ہر شخص کی زبان پر ہے۔ یہ بحران کتنا خطرناک ہے، یہ بھی کسی دانا و بینا انسان سے پوشیدہ نہیں۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں ہے، جو (گذشتہ ماہ، انھی صفحات میں) کہی گئی کہ "بگاڑ اس انتہا کو پہنچ گیا ہے" کہ "ملک کا وجود خطرے میں ہے" اور "فوری اصلاح نہ ہوئی تو [وہ] بہت بڑی تباہی سے دوچار ہو سکتا ہے"۔ اس حقیقت سے انکار اور اعراض صرف وہی کر رہے ہیں جو "سب اچھا ہے" کی رپورٹ دینے اور لینے میں ہی اپنے اقتدار اور مفادات کی عافیت سمجھتے ہیں۔ یا جو شتر مرغ کی طرح اپنی فوری دلچسپیوں میں سر چھپاکر مطمئن ہیں کہ یہ طوفان گزر جائے گا، ڈوبیں گے تو دوسرے۔

لیکن اس بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس بحران سے نکلنے کی صورت کیا ہو، اور کیا تدابیر اختیار کی جائیں جن سے اصل مرض کا ازالہ ہو جائے۔ ایک بحران سے اس طرح نہ نکلیں کہ دوسرے شدید تر بحران میں مبتلا ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ایک دانا و بینا حکیم فوری طور پر تو ایسی تدابیر کی طرف توجہ دے گا جو بحران کی شدت کم کریں، اور قوم کے مزاج، جسم (polity) اور آب و ہوا (کلچر اور ماحول) میں اتنی اصلاح کریں اور اتنا اعتدال پیدا کریں کہ ایک طرف وہ جان بر ہو سکے، اور دوسری طرف اصل مرض کے علاج کی استعداد پیدا ہو۔ جس طرح ایک شدید بخار کے مریض کے علاج کے لیے سب سے پہلے اس کا بخار کم کرنے کا، پھر معدے کی اصلاح، قوت کی بحالی، اور آب و ہوا کی تبدیلی کا اہتمام کرے گا۔ ایسی فوری اور سیاسی تدابیر پر مشتمل ایک ۱۰۔نکاتی لائحہ عمل (گذشتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہ انھی صفحات میں) پیش کیا جا چکا ہے۔ مکمل علاج تو اسی وقت ممکن ہے جب بنیادی مرض کا ازالہ کیا جائے، لیکن یہ تدابیر اس مستقل ازالے کے لیے بھی ناگزیر ہیں۔ مثلاً، اصل مقاصد کے بارے میں یک سوئی، ان کے حصول کے لیے تمام دینی و سیاسی عناصر کا اتفاق و اشتراک، اور ایک باایمان اور باکردار قیادت ــــ یہ ایسی ناگزیر ضرورتیں ہیں جن کے بغیر نہ فوری اصلاح ہو سکتی ہے، نہ بنیادی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیاسی تدابیر بے کار ہیں، ضرورت تو اخلاقی اور روحانی سدھار کی ہے۔ اس لیے سب چھوڑ چھاڑ کر اسی تعمیری کام میں لگ جانا چاہیے۔ لیکن جہاں ایسی بحرانی کیفیت ہو، وہاں تعمیری کام کے لیے ذہنی سکون اور ولولہ عمل کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے، اور بات سننے کی استعداد کہاں سے آسکتی ہے۔ اس لیے یہ سیاسی تدابیر ناگزیر ہیں۔ مگر یہ صحیح ہے کہ تعمیری کام کے بغیر مرض کا مستقل علاج نہیں اور حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ ایمان و اخلاق کی تعمیر کا کام ہر حال میں جاری رہنا چاہیے۔ آج ہمارا مدعا انھی تدابیر کے بارے میں گفتگو کرنا ہے جو مرض کے اصل اسباب کے علاج کے لیے درکار ہیں۔

مرض کے اصل اسباب کیا ہیں، اس بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل مرض، جہالت ہے، تعلیم عام ہوگی تو حالت سدھر جائے گی۔ یقیناً تعلیم کے بغیر نہ دل سدھر سکتے ہیں نہ اخلاق، نہ کردار بن سکتا ہے نہ نظام۔ نہ دنیاوی و معاشی ترقی ہو سکتی ہے نہ آخرت ہاتھ آسکتی ہے۔ لیکن کون سی تعلیم؟ ان کی مراد ہوتی ہے وہی تعلیم جو ہمارے اسکولوں اور مدارس میں دی جا رہی ہے۔ بس عورت مرد سب پڑھے لکھے ہو جائیں، شرح خواندگی سو فی صد ہو جائے، کالجوں کا جال بچھ جائے، تو قوم، فلاح کی راہ پالے گی! لیکن نہ شرح خواندگی میں یہ تاثیر ہے، نہ لارڈ میکالے کا بخشا ہوا نظام تعلیم ایسا نسخہ کیمیا ہے جو ذرہ برابر بھی مطلوب تبدیلی پیدا کر سکے۔ بلکہ اس کے برعکس، یہ تو وہ تیزاب ہے جو سونے کا ہمالہ ہو تو اسے مٹی کا ڈھیر بنا دیتا ہے، جس کا حاصل فکر معاش کے سوا کچھ نہیں۔ کیا ہم نہیں دیکھ رہے کہ جو افراد آج ہمارے تمام زوال اور بگاڑ کے اصل ذمہ دار ہیں ــــ یہ جنرل، سیاست دان، بیوروکریٹ، دانش ور، صحافی ــــ یہ سب "تعلیم یافتہ" ہیں۔ آکسفورڈ اور کیمبرج تک کی ڈگریاں ان کے پاس ہیں، اگرچہ گالیاں ساری جاہلوں کے حصہ میں آتی ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیسے جیسے یہ تعلیم پھیلتی جائے گی، مریض کی حالت بگڑتی جائے گی۔

کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ اصل مرض تو غربت ہے، اور معیار زندگی کی پستی ہے۔ دو وقت کی روٹی ملنے لگے، معیار زندگی بلند ہوگا، لوگ خود بخود سدھر جائیں گے۔ یقیناً فاقہ کفر تک لے جاتا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور غربت کا ازالہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ مگر ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھوں ملک تباہ و برباد ہو رہا ہے، ان میں سے ہر ایک امیر کبیر ہے، اس کے پاس سونے کی کئی کئی وادیاں ہیں، مگر اس کی بھوک برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ معاشی فراغت سب کو نصیب ہونا چاہیے۔ لیکن لوگوں میں معیار زندگی بلند کرنے کی ہوس اور دوڑ جتنی بڑھے گی، ہمیں تو یقین ہے اتنی ہی ہماری قومی بدحالی بڑھے گی، تفرقہ، انتشار اور خون ریزی میں بھی اسی تناسب سے اضافہ ہو گا۔

کچھ اور لوگوں کے نزدیک اصل سبب یہ ہے کہ ملک ٹیکنولوجی اور معاشی ترقی کے لحاظ سے پس ماندہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنولوجی میں آگے بڑھیں گے، تجارت بڑھے گی، کارخانے لگیں گے، ملک کی حالت سدھر جائے گی۔ بے شک معیشت اور ٹیکنولوجی میں ترقی ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو ملک ترقی یافتہ ہیں، ان کی معاشی ترقی ان کے کردار اور استحکام کی مرہون منت ہے، نہ کہ ترقی سے انھیں کردار و استحکام ملا ہے۔ پھر ٹیکنولوجی اور معیشت کی ترقی کے زہریلے پھلوں سے وہ خود تنگ ہیں۔ ایک ماہر معاشیات، کمیونسٹ دوست کہا کرتے تھے کہ معاشی ترقی صرف برائے ترقی کبھی نہیں ہو سکتی، جب تک وہ کسی بالاتر تہذیبی یا اخلاقی مقصد کی خاطر نہ ہو۔

نظام حکومت کی اصلاح کا مسئلہ تو بہت سے لوگ بکثرت اٹھاتے ہیں۔ گویا یہ کوئی "کھل جا سم سم" کا جادوئی نسخہ ہے جس سے اصلاح کے خزانوں کے سارے دروازے کھل جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے کہ صدارتی نظام ہو، کسی کی رائے میں فوج کا دستوری رول سارے مسائل حل کر دے گا، کسی کے نزدیک موجودہ سسٹم کی بقا ہی شاہ کلید ہے۔ کوئی مطلق العنانی کا خواہاں ہے، کوئی فوری انتخاب چاہتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ انتخاب ایک عرصے کے لیے ملتوی کر دو، ۵ سال میں ۳ انتخاب ہو گئے مگر مریض کی حالت بگڑتی ہی گئی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ان میں سے کون سا نظام ہے جو نصف صدی کی مختصر زندگی میں ہم نے نہیں آزمایا؟ پارلیمانی نظام موجود ہے، صدارتی نظام بھی طویل مدتوں کے لیے رہا ہے، مارشل لا بھی لگا رہا ہے، جمہوریت بھی رہی ہے، فرد واحد کی مطلق العنانی بھی رہی ہے، اداروں کی حکومت بھی رہی ہے، بنیادی جمہوریت بھی رہی ہے، اور بالواسطہ انتخابات بھی ہوئے ہیں، بالغ رائے دہی بھی رہی ہے اور بلاواسطہ انتخاب بھی، لمبے لمبے عرصوں کے لیے انتخابات موخر بھی رہے ہیں۔ منتخب نمایندوں کے لیے دستوری شرائط عائد کرنے والے نے اپنی مطلق مرضی سے اپنے معیار کے مطابق نمایندے منتخب کر کے وزرا اور ممبران بنائے، لیکن وہ کسی طرح بھی آج کے وزرا اور ممبران سے بہتر نہ تھے بلکہ وہی بیش تر چہرے آج بھی حکمران ہیں یا حکمرانی کے امیدوار۔ پھر الیکشن کمیشن سے اس چیز کو نافذ کرنے کا مطالبہ تو ایک فعل عبث ہے جسے نہ مارشل لا نافذ کر سکا، نہ حکومت یا معاشرہ اسے نافذ کرنے کے لیے تیار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ حقائق ہمارے سامنے ہیں۔ اگر ہم آنکھیں بند کر کے ' جانتے بوجھتے سراب کے پیچھے ہی دوڑتے رہیں گے تو آب حیات ہمیں کیسے ملے گا؟ پھر کیا آب حیات کے چشمہ کی یافت ' اور اس تک پہنچنے کی آرزو اور جستجو ہی ہماری آج کی سب سے بڑی ضرورت نہیں؟ کیا اس کے بغیر یہ ممکن ہے کہ ہم بحران کے اندھیرے طوفانوں سے نکل کر استحکام و ترقی کی روشن چٹان پر لنگر انداز ہو سکیں؟

مادی اسباب ---- سیاسی ہوں یا معاشی ' سماجی ' طبعی ---- نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ حالات و حوادث انھی اسباب کی بنا پر پیدا ہوتے نظر آتے ہیں۔ فطرتاً آدمی کی فکر و نظر انھی اسباب میں اٹک کر رہ جاتی ہے۔ وہ انھی کو حالات و حوادث کے وقوع کی توجیہ کے لیے کافی سمجھتا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ مغربی تہذیب نے جس کی بنیاد ہی مادہ پرستی (materialism) پر ہے ---- ہر واقعہ اور حالات کی توجیہ صرف مادی اسباب سے کرنے کے فلسفے کو اپنی انتہائی حد تک پہنچا دیا ہے۔ اس نے ایک آنکھ بند کر لی ہے ' اور وہ صرف دوسری آنکھ سے دیکھتی ہے۔ وہ ہر غیر مادی توجیہ سے انکاری ہے۔ یہ انکار اس کی پیشانی پر لکھا ہوا عیاں ہے۔

کسی بھی صورت حال کی اصلاح کے لیے اس کے پاس ایک ہی نسخہ ہے: مادی تدابیر و ذرائع کا نسخہ۔ کوئی اور تدبیر بھی کارگر ہو سکتی ہے ' وہ اس سے بھی انکاری ہے۔ مسلمان ' اسلام کا غلبہ کیوں چاہتے ہیں؟ اس لیے کہ پس ماندہ اور بدحال ہیں۔ اس کا علاج کیا ہے؟ خوش حالی اور معاشی ترقی۔ ورنہ جبر و استبداد۔ چنانچہ اگر ہمارے بیش تر راہ نما ' صحافی اور دانش ور انھی اسباب اور علاجوں میں سرگرداں ہیں جو مادی ہیں ' تو تعجب کی کوئی بات نہیں۔

مگر مادی اسباب کے پردے کے پیچھے غیر مادی اسباب بھی ہیں۔ انسان کی نگاہ کے لیے ان تک پہنچنا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ اور آج مغرب کی وضع کردہ دنیا میں (حقیقی دنیا میں نہیں) جو سائنس ' ٹیکنولوجی اور مادیت پر قائم ہے ---- یہ اس کے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔ اب وہ ان تک پہنچنا چاہتی ہی نہیں ' اس لیے کہ وہ ہر ایسے سبب کے امکان سے انکار کر چکی ہے۔ دن اس لیے نکلتا ہے کہ سورج گردش کرتے ہوئے افق پر نمودار ہو جاتا ہے۔ بارش اس لیے ہوتی ہے کہ بادل آتے ہیں اور ان کو مناسب طبعی احوال فراہم ہو جاتے ہیں۔ زلزلہ اس لیے آتا ہے کہ زمین کے دو تحتی طبقات جس مقام پر ملتے ہیں ' وہاں حرکت ہوتی ہے۔ اس سب کے پیچھے کوئی "وہ" ہیں جو رات میں سے دن کو نکالتے ہیں ' بادلوں سے پانی گراتے ہیں ' زمین سے کھیتی اگاتے ہیں ' زمین کے دو طبقات کو حرکت دیتے ہیں ' یہ بات نگاہ دیکھ نہیں سکتی ' زبان اقرار بھی کرتی ہے تو دل یقین سے محروم ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز ' جاہلانہ اور ناقابل یقین بات تو "آج" کے نزدیک ہو ہی نہیں سکتی کہ کہا جائے کہ آتش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشاں اس لیے بھی پھٹتا ہے کہ لوگ بدکاری کرتے ہیں، زلزلہ اس لیے بھی آتا ہے کہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ذلت اور مسکنت اس لیے بھی مسلط ہوتی ہے کہ لوگ اپنے عہد سے بے وفائی کرتے ہیں، بارشیں اس لیے بھی ہوتی ہیں اور پیداوار میں اضافہ اس لیے بھی ہوتا ہے کہ لوگ اپنی غلطیوں پر نادم ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح کرتے ہیں۔

مادی اسباب سے ماوراعالم میں --- عالم غیب میں --- جو اسباب کارفرما ہیں، ان کو دریافت کرنے کے لیے نگاہ و عقل کافی نہیں۔ ان کی طرف راہنمائی وہی روشنی کر سکتی ہے جو عالم غیب سے آتی ہے۔ جس طرح مادی اسباب کی تلاش کے لیے وہی روشنی ضروری ہوتی ہے جو عقل و حواس اور مشاہدے سے حاصل ہوتی ہے۔ رسالت محمدیؐ اسی روشنی کا سراج منیر ہے۔ اس سے زیادہ رنج والم کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ اس پاکستان میں، جو بنا ہی تھا اس رسالت کے اتباع میں، جس کا مقصد ہی تھا اس رسالت کے پیغام کو اجاگر کرنا، آج اسی پاکستان میں ملک کے بارے میں ساری بحث و گفتگو رسالت کی روشنی سے بے نیاز ہو کر ہو رہی ہے۔

یہ باتیں صاف اور واضح ہیں، بدیہی ہیں۔ ان کے بارے میں اتنی تفصیل اظہار مدعا کے لیے ضروری نہ تھی۔ لیکن یہ مدعا قارئین کے دلوں میں اتر جائے، یہ ہمارا مقصود تھا۔ اب اس یقین کی روشنی میں رسالت محمدیؐ کے نور کی طرف رجوع کیجیے تو بات عیاں ہے۔ لوگوں پر ذلت و مسکنت مسلط ہوئی تو اس لیے کہ وہ "آیات الٰہی کا انکار (قول و عمل سے) کرنے لگے تھے"، اس لیے کہ وہ "نافرمانیوں پر اتر آئے تھے، اور ظلم و زیادتی پر تل گئے تھے"۔ لعنت کی گئی تو اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے بے وفائی کی۔ ایک مطمئن و پرامن بستی کو بھوک (معاشی بدحالی) اور خوف کے لباس کا مزہ اس لیے چکھایا گیا کہ "وہ اللہ کے انعامات کی ناشکری کیا کرتی تھی"۔ یہ رہے عاد، ان کو سات دن رات کے طوفان (tornado) نے اس لیے تہس نہس کر دیا کہ یہ "اپنے رب کے پیغامات کا انکار کرتے تھے، رسولوں کی نافرمانی کرتے تھے، اور جو سرکش و جابر مخالف تھے ان کے پیچھے چلتے تھے"۔ کتنا بیان کیا جائے، قدم قدم پر یہی پیغام اور سبق ملتا ہے۔ کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، سائنس اور ٹیکنولوجی سے ناواقف تھے، غریب تھے، معاشی طور پر پس ماندہ تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار، یہ سبق بھول کر، اپنے مسائل حل کرنے کے لیے انھی اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں جو دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ لال بجھکڑوں کی طرح انھی نسخوں میں شفا اور نجات تلاش کر رہے ہیں جنھوں نے آج تک کسی کو شفا نہیں بخشی۔ نہ آج ہمیں بخشیں گے --- نتیجہ نگاہوں کے سامنے ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل سبب، اس میں کوئی شک نہیں، جیسے (گذشتہ ماہ) نشان دہی کی گئی "اللہ تعالیٰ سے بے وفائی اور اس عہد کی خلاف ورزی ہے جو تحریک پاکستان کے دوران خدا اور خلق کے ساتھ کیا گیا تھا" اس کا علاج اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ سے اپنا عہد وفا کریں۔ قرآن کے الفاظ میں، اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ، تم مجھ سے اپنا عہد وفا کرو، میں تم سے اپنا عہد پورا کروں گا۔

لیکن ہم بات وفائے عہد کے وعظ و نصیحت پر ختم کرنا کافی نہیں سمجھتے۔ بے وفائی کی تہہ میں کچھ اور امراض ہیں، جو اس بے وفائی کا باعث بنتے ہیں۔ ہم انھیں سامنے لانا ضروری سمجھتے ہیں، اس لیے کہ دراصل ان ہی کا علاج ضروری ہے۔ ہم قوت کے ان خزانوں کی نشاندہی بھی کرنا چاہتے ہیں جن سے نہ صرف یہ علاج ہو سکتا ہے، بلکہ جن کے بغیر قوم میں وفائے عہد کی استعداد پیدا نہیں ہو سکتی۔

بنیادی مرض کیا ہے؟ ہوائے نفس کی بندگی، دلوں اور زندگیوں میں ہوا و ہوس کی حکمرانی۔ انسانی زندگی میں سارا فساد، شرک اور بت پرستی سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک وہ بت ہوتے ہیں جو نظر آتے ہیں۔ ان کو خدا بنانے پر آدمی پر مشرک ہونے کا فتویٰ لگ سکتا ہے۔ دوسرے وہ بت ہوتے ہیں، جو چھپ چھپ کر دلوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کی پرستش پر مشرک کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ لیکن ان کی پرستش اور ان سے محبت اسی طرح ٹوٹ کر کی جاتی ہے، جس طرح اللہ سے کرنا چاہیے۔ جب اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہو، اور اس سے بڑھ کر کسی اور سے محبت ہو، جب ہی آدمی اللہ سے بے وفائی کرتے ہیں۔ ان بتوں میں سب سے بڑا بت ہوائے نفس ہے۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ، بھلا دیکھو تو اس شخص کو جس نے بنا لیا اپنا حاکم و معبود اپنی خواہشِ نفس کو۔ (الفرقان ۲۵: ۴۳، الجاثیہ ۴۵: ۲۳)

نفس کی خواہشیں ہزار ہوتی ہیں۔ ہر خواہش ایسی کہ اس پر دم نکلے، وہ محبوب و معبود بن جائے۔ ان سب کا نام دنیا ہے۔ ہوائے نفس کو الٰہ بنانے کے معنی بھی یہ ہیں کہ انسان دنیا کی ہر مطلوب شے کے بندے بن جاتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر وہی مقصود بن جاتی ہے، اسی کی طلب ہوتی ہے، اسی کے لیے سعی و جہد ہوتی ہے۔ قرآن مجید شدت سے اور کثرت سے دنیا پرستی سے روکتا ہے، دنیا کو برتنے سے نہیں۔ دنیا طلبی کو تمام گناہوں کا، ارادوں کی کمزوریوں کا، ایمان کے نقائص کا، کردار کی خامیوں کا سرچشمہ قرار دیتا ہے۔

علمِ صحیح کی بہتات کے باوجود اس کے بے اثر ہو جانے کی وجہ بھی دنیا پرستی ہے (الاعراف ۷: ۱۷۶)۔ عمل سے انحراف بھی اتباعِ ہویٰ کا نتیجہ ہے (النسا ۴: ۱۳۵) سارے فساد و قتال کی جڑ بھی اپنے حق سے بڑھ کر لینا، دوسروں کا حق مارنے اور ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے کی دھن ہے (البقرہ ۲: ۲۱۳، آل عمران ۳: ۱۹، الشوریٰ ۴۲: ۱۴، الجاثیہ ۴۵: ۱۷)

دنیا کی پرستش ممکن نہیں جب تک آدمی اللہ سے ملاقات سے غافل نہ ہو، اس کے لیے تیاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی فکر سے فارغ نہ ہو جائے۔ اس لیے دنیا پرستی سے، اور ان اعمال سے جو دنیا پرستی کا نتیجہ ہیں، روکنے کے لیے قرآن ہر جگہ اللہ سے ملاقات کو دل پر نقش کرتا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی، (النزعت ۷۹: ۴۰) ترجمہ: اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔ اس سے مختصر اور جامع نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

برائی بھی، نیکی کی طرح، ایک درخت کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بڑی برائی سے شاخ در شاخ بے شمار برائیوں کا ایک شجرہ بن جاتا ہے۔ ہوا و ہوس اور دنیا کی بندگی سے وہ دوسرے بڑے امراض پیدا ہوتے ہیں جو قومی زندگی میں زہر گھول رہے ہیں، اور اصلاح کی کسی تدبیر کو کامیاب نہیں ہونے دے رہے، اور کبھی نہ ہونے دیں گے جب تک جڑ موجود باقی رہے گی۔

ہوائے نفس کی بندگی اور دنیا کی پرستش سے مال کی طلب اور ہوس پیدا ہوتی ہے۔ ہم اسے سینت سینت کر جمع کرتے ہیں۔ اسراف و تبذیر میں شیطان خرچ کرا لیتا ہے، شادیوں اور مکانوں پر لاکھوں اڑ جاتے ہیں، نیکی کے لیے ایک دھیلا بھی ایسی مشکل سے نکلتا ہے جیسے جان نکل رہی ہے۔ دنیا پرستی ہی سے جاہ و مرتبت اور قوت و عزت کی ہوس پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لیے ہم ہر جائز و ناجائز تدبیر اختیار کرتے ہیں۔ طاقت کا غلط استعمال کرتے ہیں، اکڑفوں دکھاتے ہیں، انسانوں کی گردنوں پر پیر تسمہ پا کی طرح سوار ہو جاتے ہیں۔ اپنا نفس، دل میں سب سے اعلیٰ مقام اسی کی وجہ سے حاصل کر لیتا ہے۔ دل تنگ ہوتے ہوتے ایک تاریک سوراخ کے برابر رہ جاتا ہے۔ شح نفس کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ خود غرضی چھا جاتی ہے۔ معاف کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ غصہ آتا ہے تو ہسٹریا کا دورہ پڑتا ہے، خون بہانے سے بھی نہیں رکتے۔

آپ خود دیکھ لیں۔ قوم و ملک کی حالت کا جو نقشہ آپ کے سامنے ہے، اس میں کون سی خرابی ہے جس کی جڑ ان بیماریوں میں نہیں۔ حقیر شخصی فوائد کے لیے اجتماعی و ملکی مفادات کو قربان کیا جا رہا ہے، دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹی جا رہی ہے، مزاج مسخ ہو گئے ہیں، رشوت کے بغیر کاغذ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا، ہر شخص کسی نہ کسی نوع کی قانون شکنی میں مشغول ہے۔ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتے جا رہے ہیں، عدل و انصاف نایاب ہے، انسانی عزت پاؤں تلے پامال ہو رہی ہے --- ان میں سے ہر خرابی ہوس پرستی اور دنیا پرستی کا نتیجہ ہے۔ اس لیے یہ توقع رکھنا کہ اس بنیادی مرض کے علاج کے بغیر کسی بھی تدبیر سے مکمل شفا نصیب ہو جائے گی، ایک خام خیالی ہے۔

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی۔ اگر کوئی بت خدا بن کر دل میں بیٹھ گیا ہے، کسی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت دل میں گھر کر گئی ہے تو ہزار مذمت اور وعظ سے اس کو باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ اس کا تو ایک ہی علاج ہے۔ جو خدا لئے برحق ہے اسے دل میں وہی مقام حاصل ہو جائے جو اس کا حق ہے۔ اسی کی محبت، ہر محبت سے بڑھ کر، دل میں گھر کر لے۔ پھر ہر دوسری محبت سکڑ کر، اتر کر، اپنے صحیح مقام پر آ جائے گی۔

غور کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اپنی قوم کی حالت بدل دی، اور اسے ساری دنیا کی حالت بدلنے کا ذریعہ بنایا۔ آپؐ نے اس مقصد کے لیے ان میں سے کوئی تدبیر بھی اختیار نہ کی جن کا آج بازار میں چلن ہے۔ آپؐ نے:

۱۔ دلوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ پر یقین و اعتماد، ان کی وفاداری اور ان کے ساتھ محبت سے بھر دیا۔ ان کی زندگیوں کا مرکز و محور اور ہدف و مقصد اللہ بن گیا۔ ان کی سمت اس کی طرف ہو گئی۔

۲۔ ان کو اللہ کے سامنے جواب دہ اور ذمہ دار، اس سے ملاقات کی تیاری کے لیے مضطرب و بے چین، اس کی آگ سے بچنے کے لیے فکرمند، اور اس کی جنت کے حصول کے لیے لالچی اور بے تاب بنا دیا۔

۳۔ دنیا بھر کو، قیامت تک، اللہ کی طرف بلانے، اللہ سے جوڑنے، اور اللہ کا بنانے کے لیے ان کو جدوجہد میں لگا دیا۔

بس یہ مختصر نسخہ تھا، جس سے ان کی اصلاح ہو گئی۔ پتھر کے بت ہی نہیں ٹوٹے، سینوں کے بت بھی پاش پاش ہو گئے۔ دنیا سے بڑی گہری دلچسپی رہی۔ وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ ساری دنیا ان کی آخرت کی خاطر ضروری اور اہم ہو گئی۔ اس کا ہر لمحہ اور ہر حبہ آخرت کو کمانے کے لیے بیش قیمت ذریعہ بن گیا۔

یہ نہ سمجھیں کہ یہ نسخہ "پہلے فرد کی اصلاح، اس سے پہلے دل کی اصلاح اور اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا" کا نسخہ ہے۔ یہ تو اجتماعی اصلاح کا نسخہ ہے۔ ایک بگڑے ہوئے معاشرے میں، جہاں دنیا پرستی اور ہوا و ہوس کی بندگی کا راج ہو، افراد کا سدھرنا اور اپنے سدھار پر قائم رہنا، تقریباً ناممکن ہے۔ چنانچہ خود ہمارے دور میں جو کوششیں، اجتماعی اصلاح کو نظرانداز کر کے، افراد کی اصلاح کے لیے، ان کا ایمان مضبوط کرنے کے لیے ہو رہی ہیں، ان کے اثرات ہمارے سامنے ہیں۔ معاشرے اور نظام، افراد کے سدھر جانے سے، خود بخود نہیں سدھر جاتے۔ یہ تو ایک اجتماعی اصلاح کی مہم ہے، اور جو افراد اس نسخے کو قبول کرتے جائیں، ان کو اسی مہم سے منسلک کرنے کی مہم ہے۔

بس یہی وہ "تعلیم" ہے جس سے جہالت، علم نافع میں تبدیل ہو جائے گی۔ یہی وہ "ترقی" ہے جس سے دلوں کا افلاس دولت مندی اور خوش حالی سے بدل جائے گا۔ یہی وہ "نظام" ہے جس

© rasailojaraid.com